خلافت

(اسلامی نقطہ نظر)

از

نصیر احمد جنجوعہ

www.urdu-islam.blogspot.com

1۔ خلافت کی تعریف 3

2۔ چاروں قسم کے خلفاء کی خوبیاں 3

3۔ اسلامی خلافت کا وعدہ 4

4۔ نبی کے جانشین کا انتخاب 5

5۔ خلیفہ کی اہلیت (اہل خلیفہ سے مراد) 6

6۔ دینی خلیفہ کی اطاعت کی حدود 9

☆ رسول اور خلیفہ کے اختیارات میں فرق 10

۱۔ دینی حکم کا تعین 10

۲۔ دینی امور میں اجتہادی غلطی 10

۳۔ مشاورت 12

۴۔ تنازع 14

7۔ کیا دینی خلیفہ معزول کیا جا سکتا ہے؟ 21

خلافت کی تعریف:

خلیفہ کے لغوی معنی جانشین کے ہیں۔قرآن نے لفظ خلیفہ چار اقسام کے انسانوں کی نسبت استعمال کیا ہے۔

اول: نبی کے لئے۔جیسا کہ حضرت آدمؑ اور داؤدؑ

دوئم: نبی کے جانشین کے لئے۔جس کا ذکر آیت استخلاف سورہ النور:۵۶ میں ہے

سوئم: انسان کے لئے

چھارم: دنیاوی بادشاہوں کے لئے

ان چاروں کی نسبت خدا نے لفظ خلیفہ کا استعمال فرمایا،جس سے معلوم ہوا کہ خلافت کسی دینی منصب یا اسلامی عہدے کا نام نہیں۔لیکن ان چاروں اقسام کے خلفاء کے تقرر کو اللہ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔کہ ان سب کو اللہ نے خلیفہ بنایا۔یعنی نبی کو اللہ نے خلیفہ بنایا، نبی کے جانشین کو اللہ نے خلیفہ بنایا،انسان کو اللہ نے خلیفہ بنایا،دنیاوی بادشاہوں (ملوک) کو بھی اللہ نے خلیفہ بنایا۔

خلافت کو اگر بطور ''منصب'' مانا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ چاروں اقسام کے خلفاء دینی یا دنیاوی منصب پر فائز ہیں۔اور یہ ''منصب خلافت'' ان چاروں قسم کے خلفاء کو اللہ نے عطا فرمایا ہے۔اور یہ ''منصب خلافت'' ان چاروں قسم کے خلفاء کو اللہ نے عطا فرمایا ہے۔

چاروں قسم کے خلفاء کی خوبیاں:

☆ نبی کا منصب، یہ ہے کہ وہ براہ راست اللہ کے الہام سے ہدایت لیکر دوسروں کو سیدھی راہ پر

لانے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ نبی کے جانشین کا منصب یہ ہے کہ وہ نبی کی شریعت کو نافذ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔

☆ دنیاوی بادشاہ کا منصب یہ ہے کہ وہ زمین پر عدل وانصاف سے ظاہری حکومت چلاتا ہے۔

☆ انسان کا منصب یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کے لئے اور اسکے احکامات کی بجا آوری کی خاطر زمین پر پیدا کیا گیا ہے۔

یعنی یہ چاروں قسم کے خلفاء ایسے منصبوں پر فائز ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری مقصود ہے۔

اسلامی خلافت کا وعدہ:

سورالنور کی آیت 56 میں جس خلافت کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔اس سے مراد ''اسلامی خلافت'' ہے۔یعنی خلافت کا وعدہ امت مسلمہ سے ہے۔کیونکہ اس آیت میں خلیفہ کی شرط یہ بیان فرمائی کہ وہ ایمان لانے والا اور عمل صالح بجالانے والا ہو۔اور یہ دونوں شرائط ایک مسلمان میں موجود ہوتی ہیں۔اسلئے اس خلافت کے وعدہ سے مراد دراصل ''مسلم خلافت'' ہے۔اور مسلم خلیفہ سے مراد ایسا خلیفہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہو۔ایسا جانشین جو خود مختار نہ ہو بلکہ **اطیعو اللّٰہ و اطیعو الرسو ل** پر عمل کرنے والا ہو۔یہ وعدہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات پر پورا ہوا۔سورہ النور:۵۶ کے مطابق دینی خلیفہ کا کام دین کو مضبوطی دینا ہوتا ہے۔شریعت کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔اسلئے اسکا انکار کرنے والا فاسق ٹھہرایا گیا ہے۔یعنی جو دینی خلیفہ کی اطاعت نہیں کرتا تو وہ فاسق شمار ہوتا ہے۔

نبی کے جانشین کا انتخاب:

قرآن کریم نے نظم اجتماعی کے معاملات کو شوریٰ کے زریعہ طے کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ **امر ھم شوریٰ بینھم** کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ہوا۔ اور اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی امارت و خلافت کا انعقاد بھی مومنین کی شوریٰ کے زریعہ ہی کیا گیا۔ خلفاء راشدین کی سنت سے ثابت ہے کہ خلیفہ منتخب کرنے کے واسطے مومنوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جاسکتی ہے۔ جو آپس میں مشاورت کر کے خلیفہ منتخب کرتے ہیں۔ سورہ النور آیت ۵٦ کے مطابق کو خلیفہ بنانے کا وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ لیکن خلیفہ کے انتخاب اور نبی کے انتخاب میں یہی فرق ہے کہ نبی کے انتخاب میں **اِنسانی دخل** نہیں ہوتا، نبی کو اللہ تعالیٰ براہ راست اپنے الہام کے زریعہ نبی یا رسول بناتا ہے۔ لیکن نبی کے جانشین کا انتخاب الہام سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے انتخاب سے ثابت ہے کہ اللہ نے کسی کے دل پر کوئی الہام یا وحی وغیرہ نازل نہیں کی۔ بلکہ نبی کے جانشین کے انتخاب کو سورہ النور آیت ۵٦ کے مطابق مومنوں کے ''عمل صالح'' سے مشروط قرار دیا گیا ہے۔ اور ''عمل صالح'' کا تقاضا ہے کہ مومنین آپس میں **امرھم شوریٰ بینھم** کے مطابق اپنے میں سے اہل شخص کی نسبت اعتماد کا ووٹ دیں۔ جیسا کہ سورہ النساء آیت ۵۹ میں مومنوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ''اہل شخص کو (حکومت کی) امانت سونپیں''۔ پس جب مومنین اس قرآنی حکم کے مطابق اپنے میں سے بہترین اور اہل شخص کو خلیفہ منتخب کرتے ہیں، تو یوں وہ ''عمل صالح'' کی شرط پورا کرتے ہیں جو انتخاب سے متعلق ہے، اور اللہ کا وعدہ ان پر پورا ہوتا ہے۔ قرآن کے اس حکم کی نافرمانی کی صورت یوں ہوگی جسے رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث

میں فرمایا؛ کہ ''قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب امانتیں ضائع کی جائیں گی۔سوال ہوا کہ امانتیں کس طرح ضائع کی جائیں گی؟ رسول ﷺ نے فرمایا؛ جب نا اہل اور غیر مستحق لوگوں کو امیر بنایا جائے گا''۔(حدیث) گویا سورہ النساء آیت ۵۹ کا حکم ان مسلمانوں کے لئے انتہائی اہم ہے جو خلافت کا انتخاب کرنے کے واسطے اکٹھے ہوتے ہیں۔

خلیفہ کی اہلیت:

چونکہ خلافت اسلامی، انتخابی ہے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر خلیفہ کا انتخاب چھوڑا ہے۔لیکن اصول قرآن کی سورہ النساء آیت ۵۹ میں بیان فرمادیا کہ **إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا** وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ (النساء:۵۹) اس آیت کے مطابق مجلس شوریٰ کا فرض ہے کہ اہل شخص کو خلیفہ منتخب کریں۔

اہل خلیفہ سے مراد؟

اس سے مراد یہ ہے کہ جس انسان کو خلافت کے منصب کے لئے ووٹ دیا جائے یا نامزد کیا جانے لگے تو وہ انسان ایسا ہو جس میں خلافت کے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی استعداد اور صلاحیت موجود ہو، اور چونکہ خلافت، امارت اور امامت ہی کا دوسرا نام ہے اس لئے امارت یا امامت کے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں جس استعداد اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اس میں سب سے نمایاں اور اول درجہ پر ''تقویٰ وطہارت اور دینی علم و معرفت'' ہے۔یعنی انسان کا نیک اعمال پر قائم ہونا اور شریعت اسلام کا علم رکھنا۔اور چونکہ یہ دونوں صفات ہر اچھے مسلمان میں پائی جاتی ہیں۔اسلئے خلافت کے منصب کے لئے سب سے زیادہ اہل وہی ہوگا جس میں یہ صفات زیادہ پائی جائیں۔یعنی جو اعلیٰ درجہ کا نیک اور عالم

فاضل شخص ہو۔ یہ وہ خوبی ہے جو لفظ ''اھل'' میں شامل ہے۔

انتظامی معاملات میں مہارت یا جنگی جہاد میں مہارت حاصل ہونا، امارت وامامت کے لئے لازمی نہیں ہے۔ اگر چہ کہ وقت وحالات کے پیش نظر ان خوبیوں کو بھی مدنظر رکھا جا سکتا ہے۔ مگر یہ خوبیاں دوسرے درجہ پر متصور ہونگی۔ کیونکہ اگر انسان میں یہ دونوں خوبیاں پائی جائیں اور نیکی اور علمی فراست نہ پائی جائے تو وہ روح ختم ہو جاتی ہے جو امام الزماں کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ جس طرح ملک وقوم کا انتظام پولیس اور فوج سنبھال لیتی ہے اسی طرح اسلامی جماعت کے انتظامی معاملات کی حفاظت کے لئے بھی پولیس اور فوج کے متبادل مختلف شعبے قائم کئے جا سکتے ہیں۔ مگر دینی علم اور تقویٰ کے بغیر امارت وامامت، نااھل ثابت ہوتی ہے۔ گویا نیکی اختیار کرنا تو ہر اچھے مسلمان کی خوبی ہے۔ لیکن قرآن دانی اور حدیث کے علم میں ماہر ہونا۔ یہ وہ خاص صفت ہے جو خلیفہ منتخب کرتے وقت مدنظر رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ الہام کے زریعہ خلیفہ کو قرآن وحدیث کا **عِلم** نہیں سکھایا جاتا۔ خلفاء راشدین کی سنت سے بھی ثابت نہیں، کہ انہیں الہام کے زریعہ شریعت کا علم سکھایا گیا ہو۔

حکومت کرنے کے واسطے محض نیک ہونا کافی نہیں بلکہ عالم ہونا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صرف انہی افراد کو عطا ہوئی جو قرآن وسنت کا علم باقیوں کی نسبت زیادہ رکھتے تھے۔ اس وقت نیک افراد بہت تھے، مگر خلافت کے لئے صرف انہی کو نامزد کیا گیا جو نیک ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی

اللہ عنہ۔ چاروں ''اھل'' افراد میں سے تھے۔

انبیاء اور رسولوں کا معاملہ الگ ہے، کیونکہ انکا انتخاب براہ راست اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعض انبیاء بالکل ان پڑھ بھی گزرے ہیں، جن میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ مگر چونکہ انکو حکومت کرنے کا اختیار اللہ نے براہ راست وحی والہام کے ذریعہ دیا، اسلئے اللہ نے خود ہی انہیں علم وعمل بھی عطا فرمایا، اور حکومت کرنے کے اہل بنایا۔ اور اس قابل بنایا کہ وہ پھر اللہ کے عطا کردہ علوم ومعارف کے دلائل سے تمام انسانوں پر بھاری رہے۔ اور کوئی انکا مقابلہ علم ودلائل سے نہ کر پایا۔

مگر اب چونکہ دین اسلام ایک مکمل دین ہے اور قیامت تک کے لئے یہی دین ہے۔ اور قرآن کی شکل میں ہر انسان کے لئے ایک ضابطہ حیات موجود ہے، اسلئے اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اَن پڑھ رہونگا، اور انتظار کرونگا کہ خدا مجھے بھی الہام ووحی کے ذریعے خود علم وعرفان عطا فرمائے اور مجھے اہل بنائے۔ تو یہ بات غلط ہے، کیونکہ یہ بات غیر قرآنی وغیر اسلامی وغیر شرعی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ہمارے پاس موجود ہے جو یہ حکم فرماتا ہے کہ اللہ کے احکامات جو قرآن میں بیان ہوئے ان پر عمل کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرو۔ جس کے لئے لازماً ضرورت پڑے گی قرآن سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی، جس کے لئے ضرورت پڑے گی، سنت رسول سے واقف ہونے اور اس پر عمل کرنے کی۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئیے کہ اصل مسلمان درحقیقت وہی ہے جو دین اسلام کا علم حاصل کرتا ہو اور اس پر عمل کرتا ہو۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ''مسلمانوں میں سب سے زیادہ اہل اور بہترین مسلمان وہ ہے جو دوسرے مسلمانوں کی نسبت زیادہ دین اسلام کا عالم ہو، اور باعمل ہو''۔ لہٰذا یہی وہ شخص ہے جو درحقیقت اسلامی نظام میں امارت و

خلافت لئے اہل ہوتا ہے۔خلیفہ کو بھی چونکہ براہ راست اللہ اپنے الہام کے زریعہ خود منتخب نہیں فرماتا۔ بلکہ خلافت ''انتخابی'' ہے۔اسلئے خلیفہ کے انتخاب میں بھی یہی اصول اور معیار لاگو ہوتا ہے۔یعنی منصبِ خلافت کے لئے اُنہی مسلمانوں کا نام پیش ہونا چاہیئے جو عام مسلمانوں کی نسبت بہترین علم وعمل والے ہوں۔قرآن کے اس اصول سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے، کہ

اول؛ امارت و خلافت کے انتخاب کے لئے صرف ان مسلمانوں کا نام پیش ہونا لازمی ہے جو صحیح عالم دین اور نیك ہوں۔

(اور اسکا تعین انتخاب خلافت کمیٹی کی مجلس شوریٰ کے ذمہ ہے کہ جو لوگ عالم باعمل ہیں انکی فہرست تیار کی جائے۔کیونکہ خود اپنے آپ کو کسی عہدے کیلئے پیش کرنا اسلام میں برا سمجھا جاتا ہے)۔

دوئم؛ یہ کہ امارت و خلافت کے انتخاب کے موقع پر جو افراد انتخاب کرتے ہیں یا ووٹ دیتے ہیں وہ ان تمام افراد کے علم و عمل سے بخوبی واقف ہوں جو اہل کی فہرست میں شامل کیئے گئے ہیں۔

(یعنی جو جس کو ووٹ دے وہ اسکو اچھی طرح جانتا ہو)

دینی خلیفہ کی اطاعت کی حدود:

حضرت آدمؑ کی مثال سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بات سمجھائی کہ اللہ کا خلیفہ بھی شیطان کے بہکاوے میں آسکتا ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پہلے

خطاب میں بھی ذکر فرمایا کہ

''اگر آپ لوگ مجھے رسول ﷺ کے معیار پر جانچیں گے اور مجھ سے وہ توقعات رکھیں گے جو حضور ﷺ سے آپ رکھتے تھے تو میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ **وہ شیطان سے محفوظ تھے** اور ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کیجئے اور غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دیجئے''۔

لہٰذا خلیفہ کا مقام و مرتبہ بحر حال رسول ﷺ سے کم ہے۔ اور خلیفہ میں یہ امکان موجود ہے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آجائے۔ سو چونکہ رسول ﷺ اور خلیفہ کے مقام و مرتبہ میں فرق ہے، اسلئے رسول ﷺ کے معیار کے مطابق خلیفہ سے توقع رکھنا غلط ہوگا۔ یعنی جو اختیارات رسول ﷺ کے تھے وہی اختیارات خلیفہ کی نسبت تسلیم نہیں کیئے جا سکتے۔

رسول ﷺ اور خلیفہ کے اختیارات میں فرق

۱۔ دینی حکم کا تعین: اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی زندگی کو اسوہ حسنہ ٹھہرایا۔ آپ ﷺ کی سنت کو دین قرار دیا۔ یعنی جو قول و فعل رسول ﷺ سے سرزد ہوا وہ امت کے لئے دین ہے۔ جبکہ خلیفہ خود قرآن اور سنت رسول ﷺ کے مطابق حکومت چلانے کا پابند ہوتا ہے۔ نئی چیزوں کو اصول بنا کر دین کا نام نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا؛ ''میری اطاعت کرو، جب تک میں اللہ اور رسول ﷺ کا مطیع رہوں۔ اور اگر میں اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر فرض نہیں ہے۔ کیونکہ میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں''۔

۲۔ دینی امور میں اجتہادی غلطی: اسی طرح رسول ﷺ سے جب لوگ دینی

سوالات پوچھتے تھے تو آپؐ اللہ تعالیٰ کی وحی کے زریعہ علم پا کر جوابات مرحمت فرماتے تھے۔لہٰذا دینی امور میں تو رسول ﷺ اجتہادی غلطی سے پاک تھے۔البتہ دنیاوی امور میں رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''دنیا کے معاملات میں تم بہتر جانتے ہو۔'' (صحیح مسلم کتاب الفضائل۔باب وجوب امتثال ماقبل شرعاً۔۔۔) گویا دنیاوی معاملات میں رسول ﷺ سے اجتہادی غلطی کا صدور ممکن تھا۔

لیکن اسلامی خلیفہ کو چونکہ دینی معاملات میں وحی نازل نہیں ہوتی۔جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے خلفائے راشدین کی تاریخ سے ثابت ہے کہ کسی خلیفہ کو باوجود تلخ اور اختلافی حالات کے الہام یا وحی نازل نہیں ہوئی۔اسلئے خلیفہ کی نسبت دینی امور میں اجتہادی غلطی کا امکان تسلیم کیا جائے گا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ''اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کردو''۔اگر غلطی کی صورت میں خلیفہ کو الہام ہونا ہوتا،تو حضرت ابوبکر صدیق یہ فرماتے کہ ''اگر میں غلطی کروں تو مجھے آسمان سے وحی نازل ہوجائے گی اور یوں میری اصلاح ہوجائے گی۔''لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ،مسلمانوں کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ غلطی دیکھ کر توجہ دلائیں۔غلطی سے مراد دینی امور میں اجتہادی غلطی ہے۔اور اجتہادی غلطی اپنی ذات میں کفر بھی ہوسکتی ہے۔گو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ دانستہ طور پر کفر کا ارتکاب کرسکتے تھے۔کیونکہ وہ عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔اور انکا مقام ومرتبہ بہت بلند تھا۔لیکن غیر دانستہ طور پر خلیفہ سے دینی غلطی ہوسکتی ہے۔اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مطلب بھی یہی تھا۔کیونکہ کوئی اسلامی خلیفہ جان بوجھ کر دینی غلطی کا ارتکاب نہیں کرتا۔لیکن اگر غیر دانستہ طور سے خلیفہ دینی امور میں غلطی کر بیٹھے تو اس پر وحی نازل نہیں ہوتی۔بلکہ مسلمانوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ خلیفہ صاحب کو توجہ دلائیں،اور خلیفہ کے ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنے کی جستجو

کریں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول مستقبل کے خلفاء کے لئے معیار مقرر کرتا ہے۔کہ اگر کبھی کوئی اسلامی خلیفہ ایسی بات کا حکم دے جو اپنے ساتھ قرآن وسنت کی کوئی دلیل نہ رکھتا ہو تو اسکی نہ صرف اطاعت فرض نہیں بلکہ اس صورت میں خلیفہ کو سیدھا کرنے کی ضرورت ہوگی۔یعنی رسول ﷺ کے معاملہ میں تو یہ معیار ہے کہ جو کچھ رسول ﷺ نے فرمادیا وہی ہمارے لئے دین ہے۔لیکن خلیفہ کے معاملہ میں یہ معیار نہیں۔بلکہ یہ دیکھنا اور سمجھنا لازمی ہے کہ خلیفہ کا ہر حکم، ہر فیصلہ، ہر تحریک اپنے ساتھ قرآن وسنت کی دلیل رکھتا ہے یا نہیں۔یہی وجہ ہے کہ لشکر اسامہؓ کے معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کے مشوروں کو بلا جھجک رد کیا۔اور یہ جواب دیا کہ جو حکم، رسول ﷺ نے دیا ہے میں نے اسے لازمی پورا کرنا ہے۔یہ جواب سن کر مسلمان مطمئن ہوگئے۔اور سمجھ گئے کہ لشکر اسامہ کے معاملہ میں خلیفہ کے پاس ''**حکم رسولؐ**'' کی دلیل ہے۔اسی طرح لازمی ہے کہ اسلامی خلیفہ کا ہر حکم، قول، فعل، تحریک، وغیرہ اپنے ساتھ قرآن وسنت کی دلیل رکھتا ہو۔

۳۔ مشاورت: دنیاوی اور انتظامی معاملات میں رسول کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام سے مشورے طلب فرماتے تھے۔جبکہ دینی معاملات میں مشورے نہیں لیتے تھے۔کیونکہ دین اور شریعت کے تمام امور حکم الٰہی سے طے پاتے تھے۔دنیاوی اور انتظامی معاملات میں رسول کریم ﷺ اگر چاہتے تو صحابہ کرام کے مشوروں کو شرف قبولیت فرماتے، اور اگر چاہتے تو رد فرمادیتے۔اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ **فا اذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ** (ال عمران:۱۶۰) یعنی اس آیت کی رو سے رسول کریم ﷺ کے پاس یہ اختیار تھا کہ وہ صحابہ کرام کے مشوروں کو رد فرما سکتے تھے۔

لیکن خلیفہ، نبی کریم ﷺ کی طرح معصوم نہیں ہوتا۔علم وتقویٰ میں ہوسکتا ہے کہ وہ سب سے

ممتاز ہو، امارت وخلافت کے لئے اہل ہوسکتا ہے، اور خود کو اہل بھی سمجھ سکتا ہے، لیکن جس طرح مجرد یہ فضیلت اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی رائے کو نظر انداز کر کے خلافت کا منصب سنبھالنے کی کوشش کرے، اسی طرح مسلمانوں کے مشورے سے خلافت کے منصب پر فائز ہو جانا بھی اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اب وہ ہر خطا سے محفوظ ہے۔ اور اسے یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ اپنی تنہا رائے کے مقابلہ میں اہل الرائے کے اجماع یا انکی اکثریت کی رائے کو رد کر دے۔ رسول ﷺ کو یہ حق حاصل تھا اور اسی وجہ سے حاصل تھا کہ آپ فی الواقع ایک معصوم ہستی تھے، لیکن تاریخ وسیرت کی کتابوں سے اس امر کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی کہ آپ نے کسی معاملے میں اپنی رائے کے مقابلہ میں مسلمانوں کے اہل الرائے کی اکثریت کو نظر انداز کر دیا ہو۔

پس آیت **فا اذا عزمت فتو کل علی اللّٰہ** (ال عمران:۱۶۰) صرف محمد رسول ﷺ کے لئے ہی خاص ہے۔ خلیفہ یا امیر کی نسبت نہیں ہے۔ (کیونکہ قرآن کی کئی آیات ہیں جن کا اطلاق محض رسول ﷺ کی ذات تک محدود ہوتا ہے) اسلئے رسولؐ تو مجلس شوریٰ کی اکثریتی رائے کو رد کرنے کا اختیار رکھتے تھے مگر خلیفہ یا امیر یہ اختیار نہیں رکھتا۔ بلکہ خلیفہ یا امیر، **امر ھم شوریٰ بینھم** (شوریٰ:۳۹) کے مطابق مجلس شوریٰ کی اکثریتی رائے کو ماننے کا پابند ہے۔ سوائے شریعت کی قطعیات (جیسا کہ زکواۃ اور حکم رسول ﷺ) کے، باقی تمام مصلحتی اور اجتہاتی امور میں خلیفہ یا امیر، مجلس شوریٰ کی اکثریتی رائے ماننے کا پابند ہے۔ یعنی شریعت اسلامی کے قطعی احکامات کی تنفیذ میں خلیفہ کو مجلس شوریٰ سے مشورہ یا اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو وہ بغیر کسی مشورہ واجازت کے پورا کرتا ہے۔ مثلاً اگر لوگ نماز نہ پڑھیں تو خلیفہ یا امیر، مجلس شوریٰ سے مشورہ نہیں کریگا کہ لوگوں کو نماز پڑھنے کی

نصیحت کرے یا نہیں۔ بلکہ وہ اسے **حکم شرعی** جانتے ہوئے بغیر کسی مشورہ کے، شرعی احکام کی تنفیذ کرے گا۔ اس مثال کو یوں سمجھئے کہ اسلامی حکومت کے حدود میں کوئی جماعت اگر قتل وغارت شروع کردے تو خلیفہ یا امیر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس جماعت کی سرکوبی کے لئے شوریٰ سے اجازت طلب کرے، بلکہ اسکا فرض یہ ہے کہ قرآن نے محاربین کے لئے جو قانون بتایا ہے اسکی تنفیذ کے لئے اپنے اختیارات بے دھڑک استعمال کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے لشکر اسامہ کی روانگی کے موقع پر شوریٰ سے اجازت طلب نہیں کی۔ کیونکہ لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم، رسول ﷺ اپنی زندگی میں دے چکے تھے۔ اور اسی طرح زکواۃ کا مسئلہ بھی ایک قطعی شرعی مسئلہ ہے۔ جس کی تنفیذ اور اجرا سے متعلق خلیفہ کو شوریٰ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ فرماتا ہے: ''کسی مومن مرد (خلیفہ یا امیر) اور کسی مومن عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اسکا رسول ﷺ کوئی حکم صادر کردیں تو اپنے حکم کا انہیں اختیار باقی رہے''۔ (الاحزاب: ۳۷)

چونکہ مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی اساس **امرھم شوریٰ بینھم** ہے۔ اس لئے انکے امراء و حکام کا انتخاب اور حکومت وخلافت کا انعقاد مشورے ہی سے ہوگا اور امارت کا منصب سنبھال لینے کے بعد بھی وہ یہ اختیار نہیں رکھتے کہ اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کے اجماع یا اکثریت کی رائے کو رد کردیں۔ **امرھم شوریٰ بینھم** کا تقاضا ہے کہ خود خلیفہ کا انعقاد مشورے کے ذریعہ ہو۔ نظام مشورہ سے ہی وجود میں آئے۔ مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہوں۔ جو کچھ مشورے سے بنے، وہ مشورے سے توڑا بھی جاسکے۔ اجماع واتفاق سے فیصلہ نہ ہوسکے تو فصل نزاعات کے لئے اکثریت کی رائے قبول کرلی جائے۔

۴۔ **تنازع:** قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کی یہ شان بیان فرمائی ہے کہ کسی ایک آیت

میں بھی رسول ﷺ سے دین کے معاملہ میں اختلاف یا تنازع کرنے کا حق نہیں دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کی کوئی صورت پیدا ہونا ناممکن ہے۔

لیکن خلیفہ سے تعلق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اپنے میں سے صاحب امر کی۔ پس اگر تم کسی معاملہ میں (صاحب امر) سے اختلاف کرو۔ تو اس (اختلاف) کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔'' (النساء:۶۰) مفسرین تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیت میں **اولی الامر** سے تنازع کا امکان ظاہر کیا ہے اور **اولی الامر** میں خلیفہ شامل ہے۔ خلیفہ سے تنازع ہو ہی نہیں سکتا اگر خلیفہ کا ہر حکم قرآن وسنت کے مطابق ہو۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے امام کی اطاعت کو ہر حالت میں کرنے کا حکم فرمایا ہے، خواہ امام کی بات پسند آئے یا ناپسند آئے، خوشی کی حالت ہو یا ناخوشی کی حالت۔ امام کی اطاعت لازمی ہے۔ اسلئے خلیفہ سے اختلاف یا تنازع اسلامی امور میں ہو ہی نہیں سکتا۔ تنازع تو تبھی ہوسکتا جب آپ کو خلیفہ میں ایسی بات نظر آئے جو اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کے خلاف ہو۔ اسلامی امور میں امام کی نافرمانی کرنے کو رسول ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا اسلامی اور شرعی امور میں تو خلیفہ سے تنازع کا حق ہی کسی کو نہیں حاصل۔ اب جبکہ اسلامی امور میں خلیفہ سے تنازع کا حق کسی کو نہیں حاصل تو سورہ النساء آیت ۶۰ میں لازماً جس تنازع کا بیان ہے اس سے مراد صرف کفر و معصیت ہی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ کفر و معصیت کے علاوہ باقی امور میں امام کی اطاعت ہر حال میں فرض قرار دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خلیفہ میں کفر و معصیت کا امکان موجود ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں خلیفہ کی اطاعت فرض نہیں۔ بلکہ قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

اس کے جواب میں بعض لوگ ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خلیفہ سے تنازع کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ اور سورہ النساء آیت ۶۰ میں جس تنازع کا ذکر ہوا ہے وہ تنازع صرف دنیاوی حکمرانوں کی نسبت ہے۔ حدیث یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا؛

''میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ اس صورت میں تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا لازمی ہے''۔ (حدیث)

گویا اس حدیث سے یہ استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ جس طرح رسول ﷺ کی سنت امت کے لئے حجت ہے۔ اسی طرح خلفاء کی سنت بھی امت کے لئے حجت ہے۔ جس طرح رسول کی سنت ہمارے لئے میزان ہے۔ اسی طرح خلفاء کی سنت بھی ہمارے لئے میزان ہے۔ اور جس طرح رسول ﷺ سے تنازع و اختلاف منع ہے۔ اسی طرح خلفاء سے بھی تنازع و اختلاف منع ہے۔ اور چونکہ تنازع بغیر کفر و معصیت کے ہو نہیں سکتا اسلئے ثابت ہوا کہ خلیفہ میں کفر و معصیت کا امکان موجود نہیں۔

حالانکہ اس حدیث سے ایسا کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپؐ کے خلفاء جو **رشد و ھدایت** پر قائم ہونگے۔ انکی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا لازمی ہے۔ کیونکہ امت مسلمہ کا ہر خلیفہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ رسول ﷺ کی سنت اختیار کرے۔ اور رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق اپنی زندگی استوار کرے۔ جب ایسا ہوگا تو گویا وہ خلیفہ **رشد و ھدایت** پر تصور کیا جائے گا۔ اور اسکی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا گویا رسول ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا متصور ہوگا۔ کیونکہ خلیفہ کی ذاتی کوئی سنت نہیں ہوتی۔ خلیفہ خود ساختہ رسوم و روایات اختیار کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ نئی نئی

چیزیں دین میں داخل کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ صرف اور صرف قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اور اسکی کوئی سنت ذاتی نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکی ہر سنت، رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہوتی ہے۔ تبھی اسے راشد کہا جاتا ہے۔ حدیث میں لفظ خلیفہ کے ساتھ **راشدین المھدیین** کے الفاظ آئے ہیں۔ جو مضمون کو واضح کر دیتے ہیں، کہ ایسے خلفاء جو رشد و ہدایت پر قائم ہوں۔ اور رشد و ہدایت پر وہی ہوتا ہے جو قرآن وسنت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ گویا مراد یہ ہے کہ اگر ایسے خلفاء ہوں جو **راشدین المھدیین** کے مصداق نہ ہوں یعنی وہ رشد و ہدایت پر قائم نہ ہوں۔ قرآن وسنت کے مطابق اپنا ہر عمل نہ بناتے ہوں تو انکی نسبت رسول ﷺ کا حکم لاگو نہیں ہوتا۔ یہ حدیث صرف رشد و ہدایت پر قائم ہونے والے خلفاء کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ رشد و ہدایت کے بغیر جو خلفاء ہوں انکی سنت کو پکڑنے کی طرف اشارہ نہیں کرتی۔ کیونکہ جیسا کہ سورہ النساء آیت ۶۰ نے **اولی الامر** (خلیفہ) سے تنازع کا حق دیا ہے۔ تو تنازع رشد و ہدایت والے خلیفہ کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ صرف اسی سے ہوسکتا ہے جو رشد و ہدایت کے بغیر چلتا ہو۔ تو حدیث میں رسول ﷺ کا اشارہ صرف ان خلفاء کی طرف ہے جو رشد و ہدایت پر قائم ہیں۔ پس یہ حدیث کسی صورت ثابت نہیں کرتی کہ خلیفہ میں کفر و معصیت کا امکان موجود نہیں ہے۔

اس مضمون کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کی سنت کو بھی ہدایت کا موجب قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جس نے میرے کسی صحابی کی پیروی کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ بلکہ یہانتک فرمایا کہ

''میرے اصحاب کو برا مت کہنا۔ نہ انکے کسی اقدام پر تنقید کرنا''۔

(ابن ماجہ۔ باب فضل اھل بدر)

اور پھر اختلافات کے زمانہ میں جب امت مسلمہ کو تہتر فرقوں میں بٹ جانا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی سنت کو اسی طرح حق وصداقت کا معیار قرار دیا جس طرح خلفاء الراشدین المھدیین کی سنت کو قرار دیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ ما انا علیه و اصحابه یعنی جو میرے اور میرے صحابہ کے طریق عمل پر ہونگے وہ ناجی فرقہ میں شمار ہونگے۔

لیکن اس کے باوجود کیا یہ امر ثابت نہیں کہ ''قیامت کے دن بعض صحابہ جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ جنہیں دیکھ کر رسول کریم ﷺ پکاریں گے کہ اصحابی اصحابی یعنی یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ تو تب اللہ فرمائے گا جب تو ان سے جدا ہوا تو یہ اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے تھے''۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء و کتاب التفسیر سورہ المائدہ)

پس اسی طرح خلفاء کی نسبت الراشدین المھدیین بول دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خلفاء، کفر و معصیت کے ارتکاب سے محفوظ ہو گئے ہیں۔

بات یہ ہے کہ کسی ایک حدیث میں لازمی نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کسی موضوع پر اسکے تمام پہلوؤں کو واضح فرمایا ہو۔ اسلئے کسی ایک حدیث سے کسی موضوع کو مکمل طور پر واضح کرنا دیانت داری نہیں۔ جب تک اس موضوع پر تمام احادیث کو یکجا نہ کیا جائے۔ یعنی جس موضوع پر جتنی احادیث موجود ہیں ان تمام پر غور کیا جائے۔ محض کسی ایک حدیث سے کوئی موضوع مکمل طور پر واضح نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خلفاء کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے میں خلفاء کے رشد و ہدایت والے پہلو کو ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح مثلاً ایک حدیث ہے جس میں رسول ﷺ نے فرمایا؛ ''سنو اور اطاعت کو اپنا شعار بناؤ خواہ ایک حبشی غلام کو ہی کیوں نہ تمہارا

امیر مقرر کر دیا جائے۔'' (**بخاری کتاب الاحکام. باب اسمع و الطاعة**) یہ پوری ایک حدیث ہے۔اب اس حدیث میں رسول ﷺ نے صرف امیر کی اطاعت اختیار کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔امیر کی نافرمانی والے پہلو کا ذکر اس حدیث میں نہیں فرمایا۔ بلکہ اسے دوسری حدیث میں یوں فرمایا؛''امیر کو سننا اور اسکی اطاعت کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے،خواہ وہ امر اسکے لئے پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ۔ جب تک وہ امر،معصیت نہ ہو۔لیکن جب امیر کھلی معصیت کا حکم دے تو اس وقت اسکی نہ سنو اور نہ اسکی اطاعت کرو۔'' (**ابو دائود کتاب الجهاد. باب فی الطاعة - ابن ماجه باب طاعة الامام**) اسی طرح ایک حدیث میں ''حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس پر ایک شخص کو امیر مقرر کیا تا کہ لوگ اسکی بات سنیں اور اسکی اطاعت کریں۔اس شخص نے ایک موقع پر راستہ میں آگ جلوائی اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ آگ میں کود جائیں۔بعض نے اس کی بات نہ مانی اور کہا کہ ہم تو آگ سے بچنے کے لئے مسلمان ہوئے ہیں۔لیکن کچھ افراد آگ میں کودنے کے لئے تیار ہو گئے۔آنحضرت ﷺ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا؛اگر یہ لوگ آگ میں کود پڑتے تو ہمیشہ ہی آگ میں رہتے۔امیر کی اطاعت معروف یعنی جانے پہچانے اچھے امور میں ہے۔کھلی معصیت والے کاموں میں اطاعت واجب نہیں۔'' (**ابو دائود کتاب الجهاد. باب فی الطاعة**) یعنی اس حدیث میں دو مواقع کا ذکر بیان ہوا ہے۔ایک وہ موقع ہے جب رسول کریم ﷺ لشکر روانہ فرما رہے ہیں اور اس لشکر میں ایک شخص کو امیر مقرر فرما رہے ہیں اور مسلمانوں کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ اس امیر کی بات سنیں اور اطاعت کریں۔دوسرا موقع وہ بیان ہوا ہے کہ جب لشکر کے سفر کے حالات واقعات کا رسول کریم ﷺ کو علم ہوتا ہے۔یعنی اس حدیث میں بھی لشکر روانہ کرتے وقت رسول کریم ﷺ نے

امیر کی اطاعت کا پہلو بیان فرمایا۔اوراسکی نافرمانی کا پہلو بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ بعد میں جب لشکر کے حالات کا علم ہوا تو تب دوسرے پہلو کا بھی ذکر فرمایا۔

آیت استخلاف

اسی ضمن میں وہ لوگ جو خلیفہ کی ذات میں کفر ومعصیت کا امکان تسلیم نہیں کرتے ،سورہ النور آیت ۵۶ کا حوالہ پیش کرتے ہیں ۔کہ اس آیت میں خلیفہ کا انکار کرنے والے کو فاسق قرار دیا ہے۔جس سے انکے نزدیک ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ میں کفر ومعصیت کا امکان موجود نہیں۔ جبکہ اس آیت میں بھی خلیفہ کے صرف اس پہلو کو بیان فرمایا ہے جو رشد وہدایت سے تعلق رکھتا ہے۔یعنی دین وشریعت کا نفاذ۔ جب ایک خلیفہ صحیح معنوں میں رشد وہدایت اور ''عمل صالح'' پر قائم ہوگا۔تو اسکے باعث دین کو تمکنت نصیب ہوگی ،مومنوں کا خوف ،امن میں تبدیل ہوگا۔خلیفہ،توحید کے قیام کا باعث بنے گا۔اور شرک ختم ہوگا۔ جب ایسا ہوگا تو اس صورت میں جب کوئی شخص ،خلیفہ کو نہیں مانے گا ،اسکی بات نہیں سنے گا ،اسکی اطاعت نہیں کریگا۔اوراسکی خلافت کا انکار کرے گا تو تب وہ فاسق قرار پائے گا۔ یہ وہی مضمون ہے جسے رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا؛ کہ

''جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے گویا میری نافرمانی کی''۔

(مسلم کتاب الامارۃ)

اب اگر کوئی اس حدیث سے یہ استدلال پیش کرے کہ رسول کریم ﷺ کے امیر کی نافرمانی کسی صورت جائز ہی نہیں ہے۔تو یہ استدلال غلط ہوگا۔ بلکہ جیسا کہ پہلے ہم حدیث بیان کر چکے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے لشکر روانہ فرمایا اور اس لشکر پر امیر مقرر فرمایا۔تا کہ اسکی بات سنی جائے اور اسکی اطاعت کی جائے۔تو وہ امیر بھی رسول کریم ﷺ کا ہی قائم کردہ امیر تھا۔

رسول ﷺ نے ہی اسے مقرر فرمایا تھا۔اور اسی کی نسبت بعد میں رسول ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت کھلی معصیت والے کاموں میں فرض نہیں۔پس جب ہم امیر کی اطاعت اور نافرمانی والی حدیثوں کو یکجائی طور پر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امیر کی نافرمانی اس صورت میں رسول ﷺ کی نافرمانی متصور ہوگی جب امیر، اسلامی اصولوں پر مبنی حکم دے رہا ہو۔اسی طرح سورہ النور آیت ۵۶ کے مطابق خلیفہ کا انکار بھی اس صورت میں فاسق بنائے گا جب خلیفہ، اسلامی اصولوں پر مبنی خلافت چلا رہا ہو۔اور عمل صالح پر قائم ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے تنازع واختلاف کا حق کسی کو نہیں دیا۔ بلکہ رسول ﷺ کے قول وفعل کو دین قرار دیا۔لیکن اولی الامر سے تنازع (اختلاف) کرنے کا حق دیا۔جس میں خلیفہ اور امیر شامل ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ خلیفہ اور امیر جب تک رشد وہدایت، اور عمل صالحہ پر قائم ہیں تب تک انکی اطاعت گویا رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔اور انکی نافرمانی گویا رسول ﷺ کی نافرمانی اور فسق میں شامل ہے۔لیکن جب خلفاء یا امراء، رشد وہدایت کو چھوڑ دیں، اور عمل صالح کی شرائط کو ترک کر دیں، اور قرآن وسنت سے ہٹ کر چلانے کی کوشش کریں تو اس میں **فلا سمع و لا طاعة** یعنی نہ انکی سنو اور نہ انکی اطاعت کرو۔یعنی ایسی صورت میں خلیفہ یا امیر کی اطاعت نہ کرنا ہی دراصل، رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ہے۔

کیا دینی خلیفہ معزول کیا جا سکتا ہے؟

اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتیں چھیننے کا حق سوائے اللہ کے دوسرا کوئی نہیں رکھتا۔انسان کو جو بھی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں جیسا کہ زندگی کی نعمت، زمین پر پیدا ہونے والی کھانے پینے کی

نعمت، زمین پر رہنے کی نعمت، آنکھوں کی نعمت، کانوں کی نعمت، ٹانگوں کی نعمت، جسمانی اعضاء کی نعمت، اور بحیثیت انسان، خلافت کے منصب پر فائز ہونے کی نعمت۔ کائنات کی کوئی چیز اور کوئی جاندار خلافت کے منصب پر فائز نہیں سوائے انسان کے۔ یہ منصب، اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، اس منصب کی زمہ داریوں میں خدا کے احکامات پر چلنا شامل ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ انسان کو اللہ کی عبادت سے روکے، کسی کو حق نہیں کہ انسان کو زمین پر الٰہی احکامات بجالانے سے روکے۔ یہی انسانی خلافت کا منصب ہے اور اس پر سے کوئی معزول نہیں کرسکتا، کوئی روک نہیں سکتا۔ سوائے اسکے کہ شرعی جواز پیدا ہو جائے۔ مثلاً زندگی اللہ کی نعمت ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ دوسرے انسان کا قتل کرے۔ لیکن جو انسان قاتل ہو اسے موت کی سزا دلوانا اللہ کا حکم ہے۔ اسی طرح آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان کی نعمت چھیننا شامل ہے۔ ظالم انسان کو اسکے ظلم کی سزا دلوانا، اللہ کا ہمیشہ سے قانون رہا ہے۔ اسی طرح ہاتھ، اللہ کی نعمت ہے۔ لیکن چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا شرعی تقاضا ہے۔ پس جس طرح اللہ کا بنایا ہوا خلیفہ یعنی کہ انسان باوجود خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے گمراہ ہوسکتا ہے۔ اور الٰہی نعمتوں کی قدر نہ کرنے اور شرعی حدود سے تجاوز کرنے کے باعث قابل سزا ٹھہر سکتا ہے۔ اسی طرح جو خلیفہ، آیت استخلاف کے تحت مجلس شوریٰ کے زریعہ منتخب ہوتا ہے، وہ بھی اگر شرعی حدود سے تجاوز کرے تو اسے بھی وہی لوگ معزول کرسکتے ہیں جنہوں نے مشاورت کے زریعہ انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ یہ الٰہی اصول ہے۔ اللہ کے نبی یا رسول کو کوئی معزول نہیں کرسکتا سوائے اللہ کے۔ کیونکہ رسول یا نبی کے انتخاب میں انسانی دخل نہیں ہوتا۔ جبکہ رسول کے نائب (خلیفہ) کے انتخاب میں انسانی دخل ایک شرعی تقاضا ہے۔ جس طرح مومنین مشاورت کے زریعہ رسول کا خلیفہ منتخب کرتے ہیں اسی طرح وہ مشاورت ہی کے زریعہ منتخب شدہ خلیفہ کو معزول کرنے کا حق

بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں پر چھوڑا گیا ہے، اسی طرح خلیفہ کا عزل بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔

بعض لوگ حضرت عثمانؓ کے واقعہ کو پیش کرتے ہیں کہ جب منافقین نے حضرت عثمانؓ سے خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کیا تو حضرت عثمانؓ نے انہیں یہ جواب دیا ''جو قمیص مجھے اللہ نے پہنائی ہے، اسے میں نہیں اتار سکتا''۔ گویا اس واقعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ کو کوئی معزول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ جبکہ یہ بات درست نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی نسبت رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی تھی کہ ''خدا تمہیں ایک قمیص پہنائے گا جسے منافقین اتارنے کی کوشش کریں گے لیکن تم اسے مت اتارنا''۔ یعنی حضرت عثمانؓ کا منافقین کو جواب دینا رسول ﷺ کی پیشگوئی کا نتیجہ تھا۔ یہ واقعہ لازماً وقوع پزیر ہونا الٰہی تقدیر تھی۔ یہ بات ایسی ہی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''خلافت راشدہ تیس سال تک رہے گی۔'' مگر کیا اس سے اسلامی خلافت کا تیس سال تک رہنا کوئی اسلامی قانون قرار پا سکتا ہے؟ ظاہر ہے پیشگوئی کے نتیجہ میں کسی بات کا وقوع پزیر ہونا، کسی اسلامی قانون کو ثابت نہیں کرتا۔ خلافت کا تیس سال سے زیادہ قائم رہنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ مگر چونکہ رسول ﷺ کی پیشگوئی تھی اس لئے اس بات کو پورا ہونا تھا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کی نسبت رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی تھی کہ خلافت کی قمیص کو نہیں اتارنا۔ پس اس پیشگوئی کو بھی لازماً پورا ہونا تھا۔ لہٰذا یہ واقعہ اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ خلیفہ معزول نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جیسا کہ خلیفہ کا انتخاب بحرحال کسی الہام یا وحی کے زریعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ مجلس شوریٰ کے زریعہ ہوتا ہے۔ اسلئے جس چیز کو مومنین کے ہاتھ میں رکھا ہے اور **امرھم شوریٰ بینھم** کے تابع رکھا ہے۔ اس میں مومنین پورا پورا حق رکھتے ہیں کہ جسے وہ مشورہ سے

منتخب کریں اسے مشورہ سے ہٹا بھی سکیں۔

پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ ایک دینی امام کا درجہ رکھتا ہے۔اور اسکے ساتھ اطاعت کا تعلق اخلاص پر مبنی ہوتا ہے۔اسلئے اسے میعادی قرار نہیں دیا جا سکتا۔اسکا جواب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے قائم کردہ کسی بھی امیر کی اطاعت کا تعلق بھی اخلاص پر ہی ہوتا ہے۔اور رسول کریم ﷺ کے امیر کی نافرمانی کرنا گویا رسول ﷺ کی نافرمانی کرنا تصور ہوتا ہے۔لیکن کیا اسکے باوجود رسول کریم ﷺ کے امیر میں کفر و معصیت کا امکان ثابت نہیں ہوتا؟ اسی طرح خلیفہ میں بھی کفر و معصیت کا امکان موجود ہے جس کے باعث اسے معزول کرنا ایک شرعی تقاضا بن جاتا ہے۔کیونکہ اسلام کسی ایسے خلیفہ کو حاکم نہیں بنانا چاہتا جو کفر و معصیت کا ارتکاب کرے۔ظاہر ہے جس کا انتخاب مومنین کی مجلس شوریٰ کا محتاج ہو وہ کیونکر خلیفہ بننے سے معصوم ہوسکتا ہے؟ اور اگر محض ''اللہ کا کسی کو خلیفہ بنانا'' اسے معصوم بنا دیتا ہے تو انسان کو بھی اللہ نے خلیفہ بنایا، انسان کیوں معصوم نہیں بن جاتا؟ کیوں انسان میں کفر و معصیت کا امکان موجود ہوتا ہے؟ کیا انسان کو اللہ نے خلیفہ نہیں بنایا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆